مسلم تعلیمی ادارے

پروفیسر ڈاکٹر عبدالمعز منظر(۱)

ا۔ علم کی فضیلت:

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے اپنے آخری نبی ﷺ پر وحی کا آغاز ہی لفظ اقرأ سے کیا جس کے معنی ہیں پڑھو اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین دفعہ اس لفظ کو دہرایا اور نبی کریم ﷺ کہتے رہے کہ میں تو اُمی ہوں، پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تو اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا:

> ''اس بزرگ و برتر خدا کے نام سے پڑھنا شروع کرو جس نے انسان کو پیدا کیا پھر قلم کے ذریعہ تعلیم دی اور اسے وہ کچھ سکھایا پڑھایا جس سے وہ واقف نہیں تھا۔''

پھر علم ہی کی وجہ سے انسان کو اس تخلیق سے پہلے پیدا کی جانے والی مخلوق یعنی فرشتوں اور جنوں سے بھی افضل بنا دیا، اس کو تمام اشیاء کا علم عطا فرمایا جو کائنات میں اس کے لئے پیدا کی گئی تھیں، اسے اشرف المخلوقات بنایا اور فرشتوں اور جنوں کو اس کے سامنے سربسجود ہونے کا حکم دیا اور کائنات کی ہر چیز کو اور تمام مخلوقات کو اس کے قبضہ میں دے دیا اور تابع فرمان بنا دیا۔

علم ہی تمام دنیاوی اور اخروی فلاح و ترقی کی بنیاد ہے۔ آج وہی قومیں دنیا کی امامت کر رہی ہیں جو مختلف علوم و فنون میں دنیا میں آگے ہیں۔ جب تک مسلمان علم کے میدانوں میں دنیا کی امامت کرتے رہے (اور کم از کم آٹھ سو سال تک وہ ساری دنیا کے امام رہے) وہی سب سے طاقتور قوم رہے اور دنیا ان کے پیچھے چلتی رہی۔ خود یورپ کا بڑا حصہ ان کے زیرنگیں رہا اور سارے یورپ کے علماء مسلمان یونیورسٹیوں اور کتاب خانوں سے فائدہ اُٹھاتے رہے اور یورپ جو تاریکی اور پسماندگی کے غار میں پڑا ہوا تھا وہاں علوم و فنون اور سائنس کو زندہ کرنے کی تحریک (Ranaissance) قسطنطنیہ کے مسلمانوں کے قبضے سے نکل جانے کے بعد ہی پیدا ہوئی اور

ا۔ ذاکر حسین ہائی اسکول کے سامنے، نوگھوا، سلطان گنج، مہیندرو، پٹنہ۔ ۸۰۰۰۰۶، بہار۔

وہیں کی کتابیں لوٹ پاٹ کا برطانیہ اور فرانس اور اسپین اور اٹلی پہنچیں جن کو پڑھ پڑھ کر لاطینی، اطالوی، فرانسیسی، جرمن اور انگریزی زبانوں میں ان کے ترجمے کئے جن کی وجہ سے یورپ خواب گراں اور پسماندگی سے بیدار ہو کر علم و روشنی کے میدان میں آیا، مسلمان دھیرے دھیرے پیچھے ہوتے چلے گئے اور یورپ ہر میدان میں علوم وفنون کے علاوہ ایجادات و اکتشافات کے میدانوں میں بھی مسلسل آگے بڑھتا گیا اور یورپ میں علمی، سائنٹفک اور زرعی نیز صنعتی انقلاب آئے جن سب کے بل پر وہ سارے دنیا کا امام بن گیا۔ پھر یہ مسلمان ہی تھے جن کے علوم وفنون سے کسب فیض کر کے مسلمان ملاحوں کے ذریعے ہی یورپ کے مختلف ملکوں کے لوگ امریکہ پہنچے۔ امریکہ میں تعلیم اور تہذیب کا ارتقاء ہوا۔ یہ کولمبس نہیں بلکہ عبدالماجد نام کا ایک ماہر سمندری ملاح ہی تھا جس کی رہنمائی میں کولمبسؔ امریکہ پہنچا۔ مسلمان اپنے زمانہ عروج میں سارے افریقہ، مشرق وسطیٰ، مشرقِ بعید، آسٹریلیا، کوریا، چین اور جاپان کے کناروں تک پہنچے اور جہاں بھی گئے اپنی قابلیت اور اخلاق کے ذریعہ تمام پرانی قوموں میں نفوذ پیدا کرتے چلے گئے اور لوگ بغیر کسی جبر و اکراہ کے خوشی بخوشی مسلمان ہوتے چلے گئے۔ سلطنتوں کی سلطنتیں اور قبائل کے قبائل اسلام کے دامن میں پناہ لیتے چلے گئے اور اس کے فیوض و برکات سے متمتع ہوتے چلے گئے اور اسلام کا دائرہ سو سال کے اندر تقریباً اُس وقت کی ساری مہذب اور آباد دنیا پر وسیع ہو گیا۔

۲۔ زر پرستی اور دنیا طلبی:

پھر مسلمانوں پر جیسے جیسے خوشحالی کا دور، آیا وہ آرام طلب، عیش کوش، خدا سے غافل اور دنیا پرست بنتے چلے گئے۔ انھوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے جیسا کہ اس نے قرآنِ مجید میں خود فرمایا ہے، اُنھیں خود اپنے آپ سے غافل اور بے خبر کر دیا۔ انھوں نے قرآن کو سمجھنے کی کوشش چھوڑ دی، رسولِ اکرم ﷺ کے فرمودات کو سمجھنا سمجھانا اور ان پر صدق دل سے پوری طرح عمل کرنا چھوڑ دیا اور خدا فراموش گمراہ قوموں کی وہ نفس اور شیطان کی پیروی کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ذلت و مسکنت مسلط کر دی۔ انھیں پارہ پارہ کر دیا اور غیر مسلم قومیں ان پر ہر طرف سے ٹوٹ پڑیں اور ان کو نرم چارہ سمجھ کر ان کے ملکوں پر قابض اور حکمراں ہوتی چلی گئیں۔ یہ آنحضور ﷺ کی اس پیشن گوئی کے عین مطابق ہوا جس میں نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب تم اپنے دین کو دنیا کی ہر چیز پر

فوقیت دی اور دنیا کو دین پر قربان کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے تم کو دنیا کا امام بنایا اور تم ملکوں کے فاتح ہوتے چلے گئے مگر ایک وقت آئے گا جب تمہارے دلوں کو گھن لگ جائے گا اور تم حبِ دنیا میں مبتلا ہو جاؤ گے تم ہر طرح کی کمزوریوں کا شکار ہو جاؤ گے اور دنیا کی دوسری قومیں تم پر اسی طرح ہر طرف سے ٹوٹ پڑیں گی جس طرح گدھ مردار پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہماری تعداد اس وقت کم ہوگی؟ تو آنحضورﷺ نے جواب دیا: نہیں، بلکہ تم تعداد میں بہت زیادہ ہو گے مگر دنیا پرستی اور زر پرستی تم کو انتہائی کمزور کر دے گی۔ تم دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے لگو گے اور دنیا تمہاری محبوب بن جائے گی اور تم موت سے ڈرنے لگو گے اور آخرت کو فراموش کر دو گے۔" دیکھ لیجئے ہمارا یہی حال آج ہے یا نہیں۔

آج دنیا کے مسلمانوں اور مسلمان ملکوں کے پاس کیا نہیں ہے۔ ان کی تعداد پوری دنیا میں ایک ارب سے بہت زیادہ ہے۔ وہ دنیا کی دوسری سب سے بڑی قوم ہیں۔ افریقہ کے مغربی سواحل سے لے کر ان کے ساٹھ سے زیادہ آزاد ملک ایشیا کے مشرقی کناروں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ آسٹریلیا، چین، ہندوستان، جاپان، روس، کوریا تک مسلمان ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، ان کی ایک بڑی تعداد پورے یورپ اور امریکہ، میکسیکو اور جنوبی امریکہ میں بھی آباد ہے۔ ان کے پاس دنیا کے پیٹرول (جسے پگھلا ہوا سونا بھی کہتے ہیں) کی دولت کا بڑا حصہ موجود ہے، قدرتی گیس کے ذخیروں سے وہ مالا مال ہیں۔ لوہا، سونا، چاندی، ہیرے جواہرات، تانبا، المونیم، میگنیز، باکسائیٹ اور دیگر معدنیات کے بھی بھاری قیمتی ذخائر ان کے ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے پیسوں سے یورپ اور امریکہ کے بینک مالا مال ہیں اور خود فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اپنی لاکھوں بلین ڈالر کی دولت کو اگر مسلمان ملک آپسی معاشی تعاون پر خرچ کرتے اور مسلمان ملکوں ہی میں لگانے نیز اس سے اپنی زراعت، صنعت و تجارت اور اپنے تعلیمی نظام کو آگے بڑھاتے اور جدید ترین بنانے میں لگاتے تو ہر چیز کے لئے انھیں یورپ، امریکہ، جاپان، چین، ہندوستان، روس، کوریا اور سنگاپور وغیرہ کا محتاج نہیں رہنا پڑتا بلکہ وہ علوم و فنون، جدید سائنس اور ٹیکنالوجی، زرعی پیداوار اور صنعتی مصنوعات ساری دنیا میں باہر بھیجتے، فوجی توازن کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی اور طاقتور قوم ہوتے اور پھر ساری دنیا کی امامت کر سکتے تھے۔ مگر آج وہ یہ سارے مواقع ضائع کر رہے ہیں، مغرب اور مشرق کے غلام بنے ہوئے ہیں، اسرائیل جیسی چھوٹی اور لعنت زدہ قوم جب چاہتی ہے ان کے علاقوں کو تاخت

و تاراج کر کے ان پر قابض ہوتی جا رہی ہے اور مسلمان ہر آن اس کے ظلم و جبر کا شکار، بے گھر اور ریفیوجی بنتے چلے جا رہے ہیں اور چاروں طرف چھائے ہوئے پڑوسی مسلمان ملکوں میں اس کی ہمت نہیں کہ وہ اسرائیل کی بے مثال جارحیت اور تشدد اور بے حیائی اور ظلم و عدوان اور ریاستی دہشت گردی کا بدلہ لے سکیں اور اپنے علاقوں سے اسے بے دخل کر کے پھر قبلۂ اول اور اپنے دوسرے علاقوں کو اس کے غاصبانہ قبضہ سے نکال سکیں۔ یہ ذلت اور مجبوری کی حد ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بھی بدتر دن انھیں دیکھنا پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ خود مسلمانوں پر رحم فرمائے اور ان کی مسلسل یلغار کو روک دے۔

۳۔ علم اور علمائے حق کی فضیلت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہم انبیاء کے گروہ اپنے پیچھے درہم و دینار نہیں چھوڑا کرتے، ہماری وراثت علم ہے اور یہ کہ علماء انبیاء علیہ السلام کے وارث ہیں اور انہی کے ذریعہ دنیا کو اللہ کا بھیجا ہوا علم اور پیغام پہنچنا ہے۔'' علم دین بھلے اور برے کی تمیز سکھاتا ہے۔ زندگی کو تاریکیوں اور جہالتوں سے نکالتا ہے اور انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنتا ہے۔ علمائے دین پر لازم کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے وہ خود اپنے علم پر عمل کریں اور دوسروں کے لئے نمونۂ خیر بنیں اور اپنا علم باقی دنیا تک پہنچائیں اور گمراہیوں کی تاریکی سے نکال کر انھیں علم و یقین کی روشنی میں منور کریں۔ اپنی ساری جسمانی، مالی اور علمی صلاحیتیں اللہ جل شانہٗ کی ہدایات اور نبی آخر الزماں ﷺ کی تعلیمات کو پھیلانے میں صرف کر دیں۔ اگر وہ اپنے علم کے مطابق عمل کریں گے اور اس کی تبلیغ و اشاعت میں اپنا سب کچھ لگا دیں گے تو صرف ایسے ہی لوگ حقیقی عالم دین کہلانے کے مستحق ہیں، اس کے برخلاف اگر انھوں نے اپنے علم کے ذریعہ دنیا کمائی اور علم دین اس لئے حاصل کیا کہ انھیں عالم دین کہا جائے تو سب سے پہلے وہی ذلیل کر کے دوزخ میں پھینک دیئے جائیں گے۔ علمائے حق کے بارے میں آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ آسمانوں کے فرشتے سارے انسان اور جن، زمین پر بسنے والی ساری مخلوقات حتیٰ کہ چیونٹیاں بھی اپنی بلوں میں اور مچھلیاں سمندروں اور دریاؤں میں ان کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں کیونکہ ان کی حیثیت منارۂ نور کی ہوتی ہے۔'' انھیں دیکھ کر اور ان کی باتیں سن کر گمراہ لوگ اور غفلت اور نفس پرستی میں ڈوبے ہوئے انسان ہدایت پاتے ہیں اور تائب ہو

کر بڑے بڑے مجرموں سے زاہد و عابد اور اولیاء اللہ بن جاتے ہیں اور اسلامی تاریخ ایسے لوگوں کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

۴۔ مسلمان علماء اور اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ کا حال:

مگر آج علمائے دین کہلانے والے لوگوں اور خانقاہوں کو آباد رکھنے والے علماء و مشائخ کا حال کیا ہے، علماء اور مشائخ کی بڑی اکثریت تقویٰ اور خوفِ خدا سے خالی نظر آتی ہے۔ آپ ان کے حال سے واقفیت حاصل کریں تو پائیں گے کہ علم وعمل میں کھلا تضاد پایا جاتا ہے۔ منبر ومحراب پر جب جلوہ افروز ہوتے ہیں تو لوگوں کو اللہ اور رسول کی باتیں سناتے اور آخرت کی جوابدہی کا خوف دلاتے ہیں مگر جب ان کے گھریلو حالات، معاشرتی کوائف اور معاملات معلوم ہوتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے قول وعمل میں یکسانیت نہیں پائی جاتی، لوگوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرا ڈرا کر اور نبی کریم ﷺ کے نام پر انگلیاں چوم چوم کر اور زور زور سے درود وسلام پڑھ پڑھ کر عوام کو اپنا معتقد بناتے ہیں مگر نہ یہ اپنے قول اور وعدوں میں سچے ہیں، نہ لین دین میں کھرے، نہ ان سے خدمت خلق اور غریبوں اور محتاجوں اور بیواؤں، بیماروں، بے سہارا لوگوں کی کوئی خدمت بن آتی ہے بلکہ یہ خدا اور رسول کے نام پر صدقات، زکوٰۃ، چندے، قربانی کی کھالیں وصولنے اور مسجدوں اور مدرسوں کے نام پر چندہ جمع کرنے میں تو بڑے سرگرم ہیں مگر نہ تو عوام سے لی ہوئی بے شمار دولت کا کوئی باقاعدہ حساب کتاب رکھا جاتا ہے، نہ حساب کتاب کی باقاعدہ آڈٹ کرائی جاتی ہے، نہ اسے باقاعدگی کے ساتھ عوام کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، مدرسے ہیں مگر ان میں نہ صحیح ڈھنگ کی تعلیم دی جا رہی ہے، نہ خود اساتذہ دین پر عامل ہیں۔ ان سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ مفت نماز جنازہ اور نکاح وغیرہ پڑھا دیں بلکہ وہ لوگوں کو ہر غم اور خوشی کے موقع پر دعوتیں کھلانے اور مہمانانِ رسول کو کھلانے کی خوب تلقین کرتے ہیں اور دعوتیں اڑاتے اور نذرانے وصول کرتے ہیں۔ کیا آپ نے اصحاب صفہؓ اور دیگر اصحاب رسول ﷺ کا حال نہیں پڑھا، کیسے تھے وہ علم دین کے شائق جو بھوک اور فاقہ سے بے ہوش ہو ہو کر گر پڑتے تھے مگر کسی کے سامنے دست سوال نہیں پھیلاتے تھے۔ ہر وقت آنحضور ﷺ انھیں جہاں بھیجتے بلا عذر چلے جاتے تھے، ان میں سے کتنے ہی حفاظ، قراء اور اصحاب رسول کو ناحق شہید کیا گیا، ان پر بے پناہ ظلم وستم توڑے گئے، دھوکہ دے کر انھیں قتل کر دیا گیا مگر دین کی تبلیغ واشاعت سے وہ باز نہیں آئے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

وہ قتل ہوتے وقت نہایت حشاش بشاش رہتے تھے، حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کا واقعۂ شہادت آپ نے نہیں پڑھا کہ عین اسی وقت جب جلاد تلوار سونتے اُن کے سامنے کھڑا تھا، انھوں نے یہ اشعار پڑھے تھے:

فَلَسْتُ أُبَالِيْ حِيْنَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰى أَيِّ جَنْبٍ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِيْ

(یعنی مجھے ذرا برابر پرواہ نہیں کہ میں قتل کیا جا رہا ہوں جب کہ میں مسلمان قتل کیا جا رہا ہوں۔ مجھے جس پہلو لٹا کر بھی قتل کیا جائے میرا قتل کے لئے پچھاڑا جانا اللہ کے لئے ہوگا)۔

مگر آج اصحاب صفہ کے نام پر مہمانِ رسول کے لئے چندہ مانگنے والوں کا اور عالم دین کہلانے والوں کا اپنا حال کیا ہے؟ ہر شخص بچشم سر دیکھ سکتا ہے۔ الا ما شاء اللہ، اللہ کے کچھ بندے ہمیشہ راہِ راست پر رہیں گے اور رسول اللہ ﷺ کے نمونہ پر اپنی زندگیوں کو ڈھال کر دنیا کے سامنے شہادت دیتے رہیں گے کہ ایسے ہوتے ہیں علمائے حق اور رسول کے عاشق! اور یہی لوگ قابل تقلید اور صحیح معنی میں عالم دین ہیں۔ وہ سادہ زندگی گزارنے والے، قناعت پسند، سخت کوش، سچے اور ایماندار، بے غرض، بے لوث خدمت کرنے والے، ریا اور کبر سے خالی اور دنیا پرستی اور نفس پرستی کے ہر شائبے سے خالی ہوتے ہیں اور یہی ان کی پہچان ہے اور دنیا کے سامنے یہی سچے اور نمائشی عالم اور پیر طریقت کا فرق واضح کرنے والی کسوٹی ہے۔ عالم بے عمل کو عالم کہنا ہی غلط ہے اسی لئے بزرگوں نے علمائے حق کو علمائے سوء سے علیحدہ کیا ہے۔ علمائے سوء سے دور رہنا اور ان کے فریب سے بچنا دنیا اور آخرت کی نجات کے لئے ضروری ہے۔ مومن، صاحبِ فراست ہوتا ہے، نمائشی تقویٰ کے دھوکے میں نہیں آتا۔ کسی آدمی کو جانچ پرکھ کے ہی اس کے پیچھے چلتا ہے۔ واعظوں اور پیرانِ طریقت کی جانچ کی کسوٹی بھی یہی ہے۔

۵۔ اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کے اساتذہ کا حال:

عوام الناس اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ کو اپنا دینی رہنما نہیں مانتے اور نجاتِ آخرت کے لئے ان کی باتیں نہیں سنتے مگر تعلیم و تعلم کا پیشہ ایک نہایت معزز پیشہ ہے اور ہر استاد اپنے طالب علم کی زندگی اور اس کے کردار پر گہرا اثر ڈالتا ہے اور طلباء اپنے اساتذہ کو اپنا آئیڈیل سمجھتے ہیں اور ان کی نقل اتارتے ہیں اور فخر کے ساتھ اپنے اساتذہ کا نام لیتے ہیں۔ اس طرح اساتذہ کی ذمہ داری بہت عظیم ہے۔ جیسے وہ خود ہوں گے، ان کے طلباء بھی پڑھ لکھ کر ویسے ہی بنیں گے۔ طلباء عام طور پر اساتذہ کا بہت ادب و احترام کرتے ہیں، ان کے آگے زانوئے ادب تہ کیا جاتا ہے۔ ہم ہر سال یومِ اساتذہ مناتے ہیں، ہندوستان میں علم کی دیوی سرسوتی کی پوجا کی جاتی ہے اور اس کو ایک خاص دن کے طور پر منایا جاتا ہے اور اساتذہ کے لئے طلباء چندہ جمع کرتے ہیں۔ یہ سب صحیح مگر اس کے ساتھ حقیقی صورت حال کیا ہے؟ آج نیچے سے لے کر اوپر تک اساتذہ بالعموم کردار کے جوہر سے خالی پائے جاتے ہیں۔ زر پرستی کا گھن سب کو لگ گیا ہے۔ کام چوری عام ہے، اسکولوں کے ہوں یا کالجوں کے اساتذہ خدمتِ خلق اور کردار سازی کی غرض سے نہیں پڑھاتے، کلاسوں اور ڈیوٹی پوری کرنے سے پہلو تہی کرتے ہیں، ان کی تنخواہیں جتنی بڑھتی گئیں، کام اتنا ہی خراب ہوتا گیا۔ جس طرح ڈاکٹر بالعموم اسپتالوں کی سرکاری نوکری یا میڈیکل کالجوں کی پروفیسری کو اپنا ذاتی کلینک چلانے کا ذریعہ بنا رہے ہیں، اسی طرح اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ بھی کلاس میں محض خانہ پوری کرتے اور طلباء کو گھر پر یا کسی پرائیویٹ ٹیوشن کے لئے بلاتے ہیں اور وہاں پوری محنت اور تیاری سے پڑھاتے ہیں اور حسب مقبولیت بھاری بھرکم فیس وصول کرتے ہیں۔ منسٹرز اور سیاست دانوں کی دیکھا دیکھی اور سرکاری عہدہ داروں کی نقل اتارتے ہوئے اساتذہ بھی اپنے حلوے مانڈے میں مگن ہیں اور بینک بیلنس، کار، کوٹھی ان کا بھی مطمع نظر بن گئی ہے۔ ان میں سے جو خیر سے عوامی نمائندے بھی بن گئے ہیں بالعموم ان کا حال تو اور بھی برا ہے۔ طالب علم اب علم حاصل کرنے کی راہ میں یکسوئی، قربانی اور فنائیت کا سبق کس سے سیکھے اور صحیح معنوں میں ماہرین علم و فن کہاں سے پیدا ہوں؟ ہمارے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں اور کالجوں میں بھی خال خال کوئی استاد ایسا رہ گیا ہے جو ماہر اور فنا فی العلم یا (Dedicated) ہو۔

زندگی میں سادگی اور فکر میں بلندی (Plain living and high thinking) کے نمونے بمشکل ہی دستیاب ہوتے ہیں۔ آج کی دنیا عیش کوشی اور معیارِ زندگی کو بلند سے بلند تر کرنے کی ہوس میں مبتلا ہے اور اساتذہ بھی معاشرہ کی اس اخلاق گراوٹ سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ زبان کے سچے، معاملات کے کھرے اور جنسی بے روی سے پاک اساتذہ کا ملنا آج مشکل ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوان تعلیم یافتہ نسل میں آج بدعنوان ہے، ڈسپلن کا فقدان ہے اور عیاشی اور آوارگی عام ہوتی جا رہی ہے، اور اساتذہ کا احترام بھی اُٹھتا جا رہا ہے۔

۶۔ مدارس اور کالجوں کے طلباء کا ایک مقابلہ:

اب آپ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے فارغین کا جو حال دیکھ رہے ہیں اس کا مقابلہ قدیم طرز کی مکاتب و مدارس اور دارالعلوموں کے طلباء اور اساتذہ سے کر لیجئے۔ اس گئے گزرے دور میں بھی آپ دیکھیں گے کہ ادب، تہذیب، اخلاص اور شائستگی، سچائی اور دیانت، محنت و صلاحیت کے لحاظ سے اردو، فارسی اور عربی مکاتب و مدارس کے فارغ طلباء کہیں بہتر ہیں حالانکہ وہ بالعموم غریب گھرانوں سے آتے ہیں، بوریوں اور چٹائیوں پر بیٹھ کر یا بینچ، ڈسک، کرسی پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں اور ان کے اساتذہ معمولی تنخواہ پر کام کرتے اور سادگی سے زندگی گزارتے ہیں مگر ایمان و اخلاص کی دولت، تہذیب و شائستگی توکل اور علوم میں گہرائی۔ یہ ایسی صفات ہیں جو ہر جگہ ساری زندگی ان کے کام آتی ہیں۔ وہ جب علم دین سیکھنے کے بعد کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جاتے ہیں تو دوسروں سے کہیں بہتر ریکارڈ قائم کرتے ہیں اور سعی سفارش پیروی اور رشوت کے بغیر اپنا اور اپنے اداروں کا نام روشن کرتے ہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ مدارس کے نصاب کو بہتر بنانے، جدید مضامین پڑھانے، ازکار رفتہ مضامین کا بوجھ اتارنے یا کم کرنے، جدید نصابی کتابیں تیار کرنے، بہتر کتب خانوں، کمپیوٹروں، لیبارٹریز وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہے، اور بہت شدید ہے، مگر سوال یہ ہے کہ تعلیم کا جوہر کیا ہے اور علم کی غرض و غایت کیا ہے، ہم مستقبل کے شہریوں کو کیسا بنانا چاہتے ہیں؟ کوئی شبہ نہیں کہ ہم باکردار، باادب، قابل اور ماہر فن نوجوان بنانا چاہتے ہیں جو زمانہ کے حالات، رفتار اور ایجادات و اکتشافات سے خوب واقف ہوں اور ان کے بہتر سے بہتر استعمال پر بھی قادر ہو۔ جس میں اعلیٰ درجہ

کی ڈسپلن ہو، جو اپنے لئے، اپنے خاندان اور ماحول کے لئے اور اپنی قوم وملت کے لئے سرمایہ ہوں۔ قابل فخر ہوں، اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں اور کمزوروں کا سہارا بن سکیں اور ان کا حق پہچانیں اور عملاً ان کا سہارا بنیں، جو خدمت کے جذبہ سے سرشار ہوں۔ دنیا کو کچھ دیں، اس سے لینے ہی کے لئے زندہ نہ رہیں۔ جو ایثار پیشہ ہوں، استحصال کرنے والے نہ ہوں، سچے اور ایماندار ہوں، جس کے قول وعمل پر بھروسہ کیا جاسکے اور جس کے حوالہ لوگ اپنا مال، اپنی جان اور اپنی آبرو اطمینان کے ساتھ کرسکیں۔ ڈاکٹر اور استاد کا پیشہ ایسے ہی محترم نونہالوں کے لئے وقف ہونا چاہئے۔

۷۔ دینی تعلیم کے اداروں کو بدنام کرنے کی کوشش:

انگریزی زبان کی ایک مشہور مثل ہے کہ کتے کو پہلے پاگل مشہور کرو، پھر اسے گولی مار دو۔ اسی اصول پر حکومتِ وقت اور اس کا دم بھرنے والی حلیف سیاسی اور سماجی پارٹیاں کاربند ہیں، جو نہایت سوچے سمجھے اور منظّم طور پر دینی اداروں اور مدارس ومکاتب اور ملک کے سو سال پرانے دارالعلوموں تک کو اپنی بری نظر پر چڑھائے ہوئے ہیں اور آئے دن ان کو کبھی پسماندگی کا، کبھی فنڈامنٹلزم کا، کبھی ملک کے خلاف سازشوں کا، کبھی آئی ایس آئی اور القاعدہ قسم کے غیرملکی اداروں کے ساتھ مل کر سازش کرنے کا الزام دھرتی رہتی ہے۔ ان کے خلاف رپورٹ پر رپورٹ تیار کراتی رہتی ہے اور ملک کے انگریزی اور علاقائی زبانوں میں شائع ہونے والی اخبارات میں سازشی قسم کی رپورٹیں شائع کرا کے ان کیخلاف زہر اگلنے کی اور ناواقف ذہنوں کو زہر آلود کرنے کی منصوبہ بندی کی کوشش کرتی رہتی ہیں تاکہ ملک سے ان اداروں کو جو ملت کی مسلسل جدوجہد کے نتیجہ میں وجود میں آئے اور بحمدللہ دشمنوں کی کوششوں کے علی الرغم پھل پھول رہے ہیں۔ جنھوں نے ملک کی تقریباً گزشتہ ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں وطن دوستی، اور جنگ آزادی کے لئے سرفروش مجاہدین پیدا کئے، جن کے مشہور ترین علمائے وقت کو برٹش سرکار نے جھوٹے یا سچے مقدمات میں پھنسا کر انھیں پھانسی، اور عمر قید کی سزا دلوائی، انڈمان یا کالا پانی بھجوایا، ان کی جائیدادوں اور مکانوں تک کو ضبط کرلیا یا گروا دیا مگر ان علمائے حق کے پائے ثبات میں ذرہ برابر لرزش پیدا نہیں ہوئی اور انھوں نے سامراجیوں اور ملک پر ناجائز قبضہ کرنے والوں کے لئے خالص وطن دوستی کے جذبے سے سرشار ہوکر سب کچھ خوشی خوشی برداشت کرلیا مگر ویرساورکر کی طرح انگریزوں کے خلاف نہ لڑنے کا عہد کر کے خود کو جیل سے

نہیں نکلوایا۔ آج وہ قومی ہیرو بنائے جا رہے ہیں اور مولانا نانوتوی، مولانا محمود الحسن اور علمائے صادقپور کی بے مثال قربانیوں کا نام لینے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ آج ان کو بھلا دیا گیا ہے اور ان کی بے لوث قربانیوں کا کبھی نام بھی زبان پر نہیں لیا جاتا۔ حکومت نے ندوۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند تک پر چھاپے مارے اور عالمگیر شہرت رکھنے والے بے داغ علماء کے گھروں اور دفتروں اور طلباء کے ہوسٹلوں تک کی تلاشیاں لیں مگر کسی غیر ملکی سازش کا کوئی ثبوت نہیں ملا، پھر بھی حکومت کی بری نظر ہے کہ بدلتی ہی نہیں اور اس کی حکمت عملی بدنام زمانہ نازی اور ہٹلر کے وزیر گوئبلز کے اس اصول پر مبنی معلوم ہوتی ہے کہ جھوٹ کو اتنی مرتبہ بولو کہ وہ سچ نظر آنے لگے۔ آج ملک کی جارح اور فاشسٹ جماعتیں تو وطن دوست ہیں اور ہر اعزاز کی مستحق ہیں مگر اصلی وطن دوست لوگوں کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ بے داغ کرداروں کی منصوبہ بندی کے تحت کردار کشی کی جا رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس صورتِ حال کو بدلا جائے اور حق کو حق ثابت کیا جائے اور رائے عامہ کو منظم کر کے اس کے خلاف ملک گیر اجتماعی جدوجہد کی جائے اور فاشسٹ طاقتوں کو منظم سیاسی جدوجہد کے ذریعہ الیکشن کے میدان میں شکست دی جائے۔ بحمد للہ مسلمان اس پہلو سے بھی بیدار ہو رہے ہیں اور انھوں نے مسلم مجلس مشاورت اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کی رہنمائی کو قبول کر کے قابل لحاظ پیش رفت کی ہے مگر ابھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ مسلم جماعتیں اور ان کے نمائندے سر جوڑ کر سوچیں کہ اس سلسلے میں مزید کیا کچھ کرنا چاہئے۔

رہا دینی مکاتب و مدارس کے رجسٹریشن اور ان کے نصابِ تعلیم میں لازمی تبدیلی لانے کا مسئلہ، تو یہ خود مدارس کے اپنے کرنے کا کام ہے جس کے کرنے کیلئے ان کو ایک کل ہند ایسوسی ایشن بنانا چاہئے، ہر مکتب، مدرسہ اور دارالعلوم کو اس سے اپنا الحاق کرانا چاہئے اور ملک کے سر برآوردہ علماء، دانشوروں اور ماہرین تعلیم کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہئے کہ زمانہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے نصاب میں کسی قسم کی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ بہ جبر اس قسم کی اصلاح نہ تو کی جا سکتی ہے، نہ کبھی مفید ثابت ہوسکتی ہے۔ سرکاری اور دفتری جکڑ بندیوں میں جکڑ کر ان مدارس کو برباد کرنے کی سازش سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے اور اس کے خلاف بھی ملک گیر اور علاقائی سطح پر منظم جدوجہد کی جانی چاہئے اور زوردار احتجاج کیا جانا چاہئے۔

یہ کہنا کہ دینی مدارس کو فنڈ غیر ملکی ذرائع سے وصول ہوتا ہے، ایک سفید جھوٹ ہے۔

بجائے اس کے کہ حکومت دینی مدارس کے کاموں کو سراہے، اس نے منظم سازش کر رکھی ہے اور منصوبہ بنا رکھا ہے کہ ان مدارس کے مالیات کے سوتوں ہی کو خشک کر دیا جائے۔ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ حکومت کے پاس اگر ان کے خلاف کوئی ثبوت ہے تو اس کو عوام کے سامنے لانا چاہئے۔ سازشیں کرنے اور بدنام کرنے کی جھوٹی مہم چلانے سے کچھ ہاتھ آنے والا نہیں ہے۔ مسلم جماعتوں کو چاہئے کہ مسلمان عوامی نمائندے جس پارٹی میں بھی ہوں، ان سے روابط قائم کریں اور انھیں اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ مسلمان مدارس کا مقدمہ قانون ساز اسمبلیوں اور پارلیمنٹ میں لڑتے رہیں۔ صاف ذہن رکھنے والے غیر مسلم نمائندوں سے بھی اس سلسلے میں ربط قائم رکھنا مفید ہوگا۔

۸۔ نصابی کتابوں کو زعفرانی رنگ میں رنگنے کے متعلق سپریم کورٹ کا حالیہ فیصلہ:

۱۲ر ستمبر ۲۰۰۲ء کو سپریم کورٹ نے درخواست دہندوں کی اس درخواست کو مسترد کر دیا جس میں کہا گیا تھا کہ بی جے پی کی رہنمائی میں چلنے والی این ڈی اے حکومت کی ''نئی تعلیمی پالیسی'' دراصل تعلیم کے بھگوا کرن کی ایک کوشش ہے۔ مفاد عامہ کی عرضی (P.I.L.) میں کہا گیا تھا کہ حکومت نے جو نیا نصاب لاگو کیا وہ دستور کے خلاف ہے مگر سپریم کورٹ کے تین فاضل ججوں کی بینچ نے ۲:۱ کی اکثریت سے یہ فیصلہ صادر کیا کہ نصاب تعلیم میں تبدیلی تعلیم کو زعفرانی رنگ دینے کی کوئی کوشش نہیں ہے، مذہب کا مطالعہ دستور کے خلاف نہیں ہے اور یہ کہ تمام مذاہب کی روح کی تعلیم دینا اور مذہبی تعلیم دینا دونوں ایک چیز نہیں ہیں۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ مذہب کی تعلیم نہ دی جائے یا اسے ممنوع قرار دے دیا جائے مگر ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ کسی مذہبی اکثریت کو اقلیتوں پر غالب کرنے کی کوشش نہ کی جائے اور موجودہ حکومت کا یہی مدعا ہے۔ اکثریت کو تو ویسے ہی کسی تحفظ کی ضرورت نہیں ہوتی، اس کی ضرورت تو مختلف قسم کی مذہبی علاقائی، لسانی اور سماجی اقلیتوں ہی کو ہوا کرتی ہے۔ اس لئے ہماری یہ رائے ہے کہ فیصلہ دیتے وقت فاضل ججوں کو اقلیتوں کے خدشات پر بھی دھیان دینا چاہئے تھا۔

عدالت عالیہ کا کہنا ہے کہ مذہب کی تعلیم پورے طور پر یا جزوی طور پر سرکاری مالی امداد سے چلنے والے اسکولوں میں بھی دی جاسکتی ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ کیا نتائج سامنے آنے والے ہیں مسلمانوں کے دینی ادارے اور مدرسے تو پہلے ہی سے زیر عتاب ہیں جس طرح عیسائیوں کے مشنری

اسکول مسلسل زیر عتاب ہیں۔غور کرنے کا مقام ہے کہ سرکاری خرچ پر دی جانے والی مذہبی تعلیم کا فائدہ کسے حاصل ہوگا؟ کیا اس فیصلہ سے دستور ہند کے بنیادی ڈھانچے پر کوئی اثر نہیں پڑتا؟ اس سے بھی زیادہ مشتبہ یہ خیال ہے کہ تمام مذاہب کی بنیادی تعلیمات کا درس دیا جائے گا۔ آر۔ ایس ایس والوں کا جو دراصل بی جے پی،''ہندو پریشد، بجرنگ دل، شیوسینا وغیرہ کے اصل گروہ ہیں، کا خیال ہے رام اور کرشن تاریخی شخصیتیں ہیں کہ دیو مالائی اور ماقبل تاریخ اور یہ کہ آریہ ہندوستان میں باہر سے نہیں آئے نیز یہ کہ ہندوؤں کے پیروکار گائے بیل کا گوشت نہیں کھاتے تھے حالانکہ یہ سارے نظریات خود ساختہ اور غلط ہیں اور خود ویدو سے ثابت ہے کہ قدیم زمانے کے ہندو گائے کا گوشت خوب کھاتے تھے۔

خطرہ یہ ہے کہ سپریم کورٹ کے اس فیصلہ لے کر ۸۵ فیصد ہندو اکثریت بالخصوص ان میں سے منظم فاشسٹ تنظیمیں علاقائی، مذہبی، سماجی اور کو اپنے پائے استبداد تلے کچل نہ ڈالیں اور رنگ برنگی مذہبی، لسانی اور تہذیب اقلیتوں کا یہ ملک بزور اکثریتی رنگ میں نہ رنگ دیا جائے۔

N.C.E.R.T. کا جاری کردہ نیا نصاب تعلیم تاریخ اور اس کے تعلیم و تعلم کے خلاف ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے، اور اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ یہ نونہالوں کے سادہ ذہنوں کو بچپن ہی میں مسموم کر دینے کی زبردست سازش ہے۔ قابل اعتراض حصوں کو نکال دینے کا وعدہ کیا گیا تھا مگر اب پھر انھیں جوں کا توں برقرار رکھنے کی اجازت حاصل ہوگئی ہے۔ زعفرانی رنگ کے رسیا باقی تمام رنگوں کو نکال باہر کرنے پر تلے ہوئے ہیں، مسلمانوں، عیسائیوں اور کمیونسٹوں کا تو یہ لوگ صفایا ہی کر دینا چاہتے ہیں الا یہ کہ یہ سب زعفرانی رنگ میں رنگ دیئے جائیں اور بہ خوشی یہ بہ جبر گیر وارنگ دھارن کرلیں۔ ان لوگوں کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ قبل تاریخ زمانہ کی اور دیو مالائی قصہ کہانیاں اور مذہب کا گٹھ جوڑ کسی سائنٹفک اور عقلی جانچ کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ہمارے رنگ برنگے سماجی کا صرف ایک طبقہ دوسرے تمام مذاہب کے ماننے والوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ گہرائی سے جائزہ لیجئے تو آپ پائیں گے کہ ان لوگوں کا اصل مقصود بھارت کے ترنگے جھنڈے کو اتار کر اپنا من پسند بھگوا دھوج لہرانا ہے۔ مختلف مذاہب، زبانوں اور تہذیبوں کے اس ملک میں وہ صرف ایک زبان، ایک مذہب اور ایک کلچر کا بول بالا چاہتے ہیں۔

کتنی دلچسپ بات ہے کہ نئے سلیبس میں اسرائیل اور تبت کی تاریخ کا مطالعہ لازمی

قرار دیا گیا ہے۔ یہ لوگ ہٹلر کے گن گاتے ہیں۔ گجرات کے ایجوکیشن بورڈ کی ایک کتاب میں درج ہے کہ ''ہٹلر نے ایک مضبوط تنظیمی ڈھانچہ قائم کر کے ایک مختصر مدت میں جرمن حکومت کو عزت و شرف کا مقام عطا کیا۔ اس نے ایک عظیم تر جرمنی کی عظیم حکومت قائم کی۔ اس نے یہودی نسل کے لوگوں کے خلاف ایک مضبوط مخالف پالیسی اپنائی اور جرمن نسل کی برتری کا دعویٰ پیش کیا۔ اس نے نئی معاشی حکمت عملی اپنائی جس نے جرمنوں کو ترقی کے راستہ پر ڈالا۔ بیروزگاری کو دور کرنے کی کوشش کی اور عوامی تعمیرات، آب پاشی کی سہولتوں، ریلوں اور سڑکوں کی تعمیر اور جنگی ساز وسامان کی تیاری کی پالیسی اپنا کر ایک عشرے کے اندر اس نے جرمنی کو خود کفیل بنا ڈالنے کے لئے انتھک کوشش کی۔ ہٹلر نے وارسا کے معاہدے کو محض کاغذ کا ایک ٹکڑا کہہ کر چاک کر دیا اور جنگی تاوان ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ عوام کے اندر اس نے مہم جوئی کی ایک نئی روح پھونک دی۔''

سنگھ پریوار اپنے اسکول خود چلاتا ہے۔ ۱۹۵۲ء میں آر۔ ایس۔ ایس۔ نے اپنا پہلا اسکول قائم کیا تھا۔ تعلیمی سرگرمیاں جاری رکھنے کا کام یہ اپنے تعلیمی بازو ودیا بھارتی، اکھل بھارتیہ شکشا سنستھان کے ذریعہ کرتی ہے۔ ۱۹۵۲ء کے بعد سے اب تک اس نے اپنے کام کی وسعت کو بہت بڑھا دیا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ یہ اس وقت ملک کی سب سے بڑی غیر سرکاری تنظیم ہے جو تعلیم کے کام میں لگی ہوئی ہے۔ اس کے ماتحت ۱۷۳۹۶ اسکول چل رہے ہیں، جن میں ۹۳۲۶۱ اساتذہ کام کر رہے ہیں اور ۲۲۵۲۸۴۸ طلباء زیر تعلیم ہیں۔

آر۔ ایس۔ ایس۔ اپنے تعلیمی ادارے سرسوتی، ششومندر، ودیکا نندو دیالیہ وغیرہ ناموں سے چلاتی ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ یہ ہندو فلسفۂ زندگی کی بنیاد پر چلائے جاتے ہیں۔ ان تعلیمی اداروں میں سنسکرت گیان پریکشا ورک بکس قسم کا تعلیمی مواد رائج کیا گیا ہے جن میں خلافِ عقل اور سفید جھوٹ پر مبنی مواد تہذیبی سچائیوں اور تاریخی حقائق کے نام سے نوجوانوں کے ذہن میں اتارے جاتے ہیں مثلاً ان میں لکھا ہوا ہے کہ ہومر کا ''الیڈ'' رامائن کو بنیاد بنا کر ترتیب دیا گیا ہے، حضرت عیسیٰ کشمیر میں رہا کرتے تھے، چالڈین تہذیب ویدوں پر آدھارت ہے، ایران کے پہلے باشندے ہندوستانی یا آریا لوگ تھے اور یہ کہ چین کے جنگجو قبائل چھتریوں کی اولاد ہیں۔ (ملاحظہ ہو: دی ہندو، ۱۶/دسمبر ۲۰۰۱ء)

اس طرح نہ صرف یہ کہ تاریخ کو مسخ کیا جا رہا ہے بلکہ نوجوان سادہ ذہنوں کو ہندوستانی

قومیت کے ایک نہایت محدود اور یک رنگ تصور کے رنگ میں رنگا بھی جا رہا ہے اور ان لوگوں کے تنگ اور محدود ذہنوں میں ہندو راشٹر تیار کرنے کا اور ملک کے ترنگے جھنڈے کو بھگوار دھوج میں بدلنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ یہ لوگ ہندوستان کے دستور کے بھی پرخچے اڑا دینا چاہتے ہیں اور سارے ملک کی رنگا رنگی اور ہمہ گیر تہذیب کو ایک ملک، ایک اکثریتی قوم اور اسی کی تہذیب اور اس کی ایک ہی زبان میں زور وز بردستی سے بدل دینا چاہتے ہیں۔ باقی تمام مذاہب، تہذیبوں، کلچرز اور زبانوں کو اکثریتی دیو استبداد کے پیروں تلے کچل دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ کھلا ہوا فاشزم نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ لوگ تاریخ ہی کے نہیں، ملک کے بھی سب سے بڑے دشمن ہیں اور ان کی سرگرمیاں اس وسیع وعریض ملک اور دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کا خاتمہ کر کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چھوڑے گی۔ اور یہ ملک اکیسویں صدی کے دنیا کے چند ترقی یافتہ ممالک کی صف میں نہیں بلکہ مغلوں سے پہلے کے بیسویں ٹکڑوں میں بنے ہوئے ہندوستان کے نقشے کی طرف واپس آ جائے گا جس کا ہر ٹکڑا دوسرے دشمن اور اس کے خلاف صف آراء ہوگا اور ملک کی آزادی اور عظمت پھر غلامی اور نکبت کے دور سے بدل جائے گی۔

سنگھ پریوار کے لوگ جب بھی بھارتیہ کرن کی بات کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد عقل وخرد اور تاریخ کے خلاف دیو مالائی اور تنگ نظری پیدا کرنے والے تصورات کا غلبہ ہوتا ہے۔ ہندوتو کے ایجنڈے کے بعض حصے مثلاً ویدک ریاضی اور ویدک آٹرولوجی کو بی جے پی کے زیر اثر ریاستی نصابی کتابوں میں پہلے ہی شامل کر لیا گیا ہے۔ ان کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ تمام دیگر مذاہب اور خیالات پر ہندو فلسفہ و خیالات کو غالب کر دیا جائے اور اس مقصد کے لئے غلط صحیح۔ ہر طریقہ اختیار کیا جائے۔ تمام اقلیتی مذہبی اکائیوں کے لئے یہ نقطہ نظر فاشزم کا نقطہ نظر ہے، نہ کہ کھلی جمہوریت کا جس میں ہر فرد مذہب اور عقیدہ اور کلچر کو پوری طرح پھلنے پھولنے کی آزادی ہوتی ہے۔ اس لئے ملک کے مسلمانوں کو ملک کی سب سے بڑی اقلیت اور دنیا کی دوسری سب سے بڑی مسلم آبادی کی حیثیت سے نیز دیگر متاثر اقلیتوں کو بھی مطالبہ کرنا چاہئے کہ اس مسئلہ پر سپریم کورٹ کی ایک زیادہ بڑی بینچ نظرثانی کرے اور اقلیتوں کے مذہب ان کے کلچر اور ان کی زبان وغیرہ کو جو خطرات لاحق ہیں، ان کو دور کیا جائے۔

۹۔ مادری زبان اردو اور اسلامی تشخص کی حفاظت:

ہندوستان کی بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کی سب سے بڑی زبان اردو ہے، جو اسی ملک میں حملہ آور افواج اور ملکی آبادی کے میل جول سے پیدا ہوئی۔ سب معترف ہیں کہ اردو ایک نہایت فصیح، میٹھی اور زوردار زبان ہے۔ یہ ہندوستان کی مشترکہ گنگا جمنی تہذیب کی حسین پیداوار ہے جس کے زور اور اثر کا کوئی جواب نہیں۔ اردو غزلیں اور گانے آج بھی ہر جگہ دلوں کی آواز بنے ہوئے ہیں، ہونٹوں پر جاری ہیں اور جب کلام میں زور پیدا کرنا ہوتا ہے تو سب اردو کے اشعار پڑھتے ہیں۔ شعروشاعری کی محفلوں میں اردو شعراء کے کلام سے ہی رونق بڑھائی جاتی ہے۔ پُرتاثیر نغمے اور ترانے اردو ہی کے ملک کی فضاء پر اب بھی چھائے ہوئے ہیں۔ اقبالؔ اور غالبؔ کے کلام کو کسی ملکی زبان میں کوئی جواب نہیں اور ان کو پڑھ پڑھ کر کتنے ہی ہندی شاعروں نے اپنی دکان چمکائی۔ ملک کے بارہ کروڑ یا بعض کے مطابق بیس کروڑ مسلمانوں میں سے کم از کم نصف تعداد اردو بولتی ہے۔ یہ تعداد پاکستان میں اردو بولنے والوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔ مسلمانوں کے لاکھوں، مدارس اور دارالعلوم اب بھی اردو کے ذریعہ مولوی، عالم، فاضل، حفاظ اور علمائے دین پیدا کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد خطِ غربت کے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور کر دی گئی ہے اور اس میں خواندگی پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ یہی مکاتب و مدارس ہیں۔ آزادی کے بعد اس ملک میں اردو ان ہی مکاتب و مدارس کے بدولت زندہ ہے ورنہ گزشتہ ساٹھ سالوں میں تمام ریاستی حکومت اور مرکزی حکومت نے سرکاری اور دفتری زبان اور ذریعہ تعلیم کے متعلق جو پالیسی اپنائی ہے اس کی وجہ سے اردو کا تو خاتمہ ہی ہوگیا ہوتا۔ کشمیر میں، یو پی میں مسلمانوں کی کثیر آبادی والے دیگر علاقوں میں ہزاروں اردو مکاتب و مدارس کو جبراً بند کر دیا گیا۔ اب کوشش کی جارہی ہے کہ انھیں دہشت گردی کے اڈے قرار دے کر اور پاکستان اور آئی ایس آئی سے جوڑ کر ان کو بند ہی کر دیا جائے یا کم از کم ان کا نصاب تعلیم اس طرح تبدیل کر دیا جائے نیز ان کی مالیات پر کنٹرول کر کے اس طرح چلایا جائے کہ ان سے اچھے مسلمان طلباء اور علمائے دین کے بجائے کردار باختہ، دنیا پرست فارغین پیدا ہوں جن کو زندگی میں قدم رکھنے سے پہلے ہی ''برین واش'' کر دیا جائے کہ وہ مؤمن و مسلم کی بجائے مادہ پرست اور دنیا پرست نوجوان ہو کر نکلیں۔

غور کیجئے کہ اردو کا تعلق حکومت کے کام کاج، تعلیم اور معاش سے کاٹ کر اسے کہاں پہنچا دیا گیا ہے۔ آج اکثر سرکاری اور دیگر اسکولوں میں نہ اردو تعلیم کا کوئی انتظام ہے، نہ اردو ٹیچر موجود ہیں نہ اردو کی نصابی کتابیں بالخصوص علوم وفنون کی کتابیں ہی دستیاب ہوتی ہیں۔ اردو اساتذہ اور درسی کتابوں کے نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً اردو بولنے والے طلباء شروع ہی سے ہندی پڑھتے آرہے ہیں اور اب ان کی اکثریت اردو سے نابلد ہو چکی ہے۔ راشٹر بھاشا ہندی بولتی اور لکھتی ہے، اپنے والدین کا خط نہیں پڑھ سکتی۔ اپنی روایات اور تاریخ اور قومی و ملی تشخص سے بیگانہ ہو چکی ہے، سیکڑوں سال کی انتھک کوشش سے مسلمانوں، ان کے علما ٫ور شیوخ نے عربی اور فارسی زبان سے منتقل کر کے اسلام اور اسلامی علوم وفنون سے متعلق جو بیش بہا لٹریچر اردو میں پیدا اور منتقل کیا تھا جس میں سے بڑا حصہ خود عربی اور فارسی کی امہات کتب سے زیادہ بیش قیمت ہے، ان سب سے نئی نسل کا تعلق بالکل کٹ گیا ہے، اور ان کتابوں میں موجود اسلامی علوم وفنون اور اسلامی روح سے غذا پانے کے بجائے اب بچپن ہی سے یہ ہندوستان کی قدیم قبل تاریخ دیو مالائی تصورات وعقائد، رسوم و رواج اور تاریخ کے زیر اثر پروان چڑھ رہے ہیں، اقبال کے قومی ترانہ کے بجائے اب انھیں راشٹریہ گان اور اس سے بھی بڑھ کر اب زبردستی وندے ماترم کا مشرکانہ ترانہ کھڑے ہو کر گانا پڑتا ہے اور اس کے سامنے ادب سے سر جھکا کر وندنا کرنی پڑتی ہے۔

ہر ماہر تعلیم جانتا ہے کہ بچوں کی تعلیم کا بہترین ذریعہ مادری زبان ہی ہوا کرتی ہے، اس جانے مانے بنیادی اصول کے خلاف اب پہلے قدم ہی سے ہندی پڑھائی جاتی ہے، اساتذہ اسی زبان میں تعلیم دیتے ہیں اور نصابی کتابیں بھی سب اسی زبان میں لکھی ہوئی پڑھنی پڑتی ہے۔ کہا تو یہ جاتا ہے کہ ملک کی چودہ زبانیں بلکہ اٹھارہ زبانیں سب قومی زبانوں کا درجہ رکھتی ہیں مگر اردو جو ان میں سب سے زیادہ بڑی زبان ہے اس کے ساتھ سوتیلی ماں کا سلوک مسلسل ساٹھ برس سے کیا جارہا ہے، دعویٰ تو یہ کیا جاتا ہے کہ اردو زبان وادب کے فروغ کے لئے حکومت بہت کوشاں ہے اور اس غرض کے لئے بہت سی ریاستوں میں اردو اکادمیاں بھی قائم کر دی گئی ہیں اور خود دلی میں ترقی اردو بورڈ قائم ہے مگر یہ سب نمائشی ادارے اردو کا گلا گھونٹنے کی سوچی سمجھی سازش کے تحت قائم کئے گئے ہیں۔ برسہا برس سے قائم شدہ مشہور اردو یونیورسٹی عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد اور اس کے دارالترجمہ کا تو گلا گھونٹ دیا گیا اور اردو کے فروغ کا جو کام وہاں ہو رہا تھا سب کو یکسر ختم کر دیا گیا، دارالترجمہ جس

سے ہزاروں کتابیں دوسری زبانوں سے اردو میں منتقل کی جا رہی تھیں، اسے بند کر دیا گیا۔ اس کی شائع شدہ کتابوں کے ذخائر میں آگ لگا دی گئی، اس کے کاموں سے آج پاکستان اور دوسرے ممالک فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مگر ہندوستانیوں کے لئے یہ سب بیش بہا کام ایک شجر ممنوعہ بن کر رہ گیا ہے۔ یہاں قومی زبان کے نام پر ایک ایسی زبان رائج کی جا رہی ہے جو سنسکرٹ آمیز، مصنوعی اور بوجھل نامعلوم اور نا قابل فہم زبان ہے۔

ہندی کتابوں اور ابدی علمی اور فنی کتابوں کی تیاری اور اشاعت پر آج کروڑوں اربوں روپے صرف ہو رہے ہیں۔ دفتروں اور سرکاری کام کاج میں اس کے ترویج کے لئے ہر سطح پر مہم جاری ہے اور مستقل کمیٹیاں کام کر رہی ہیں جو یہ دیکھتی ہیں کہ دفتروں میں کتنا کام کاج ہندی میں ہو رہا ہے اور انگریزی اور دیگر زبانوں کی بجائے ہندی زبان اور دیوناگری رسم الخط اپنانے پر طرح طرح کے تحریص و ہمت افزائی کے پروگرام عمل میں لائے جا رہے ہیں مگر ابتدا ہی سے اردو پڑھنے پڑھانے کا کوئی قابل ذکر انتظام نہیں ہے۔ جہاں تھا بھی وہاں بتدریج اسے ختم کیا جا رہا ہے اور پورے ملک میں ہزاروں بلکہ لاکھوں اردو اساتذہ کی جگہیں خالی پڑی ہیں اور بار بار کی یقین دہانی اور طفل تسلیوں کے علی الرغم ان کو پر نہیں کیا جاتا اور رفتہ رفتہ اردو کا رواج مٹتا جا رہا ہے۔ سہ لسانی فارمولے میں ایک قدیم اور مصنوعی زبان کو اردو کی جگہ ٹھونس کر اس کی ترویج و اشاعت کی جا رہی ہے۔

برطانیہ میں پہلا اسلامی بنک

برطانیہ میں بنکوں کو چلانے والے حکام نے برطانیہ میں پہلا اسلامی بنک قائم کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ اور دی اسلامک بنک آف بریٹن کے نام سے اس بنک کا ہیڈ کوارٹر برمنگھم میں ہوگا۔ اور اس کی پہلی شاخ لندن میں ماہِ رواں میں کام شروع کر دے گی۔ یہ بنک پورے یورپ میں مسلمانوں کو اپنی خدمات پیش کرے گا اور اجارہ، مرابحہ، شراکہ اور مضاربہ کے اسلامی طریقوں کے مطابق اسلامی بنکاری کرے گا۔ بنک ایسی کسی کمپنی میں سرمایہ کاری نہیں کرے گا جو حرام اشیاء بناتی یا حرام اشیا کا کاروبار کرتی ہو۔

(فقہ اسلامی نیوز ڈیسک بتوسط ثناء نیوز ایجنسی لندن)